

دیوبندی جماعت کے روحانی مراکز کا عینی مشاہدہ

شرک و بدعت کے عبرت انگیز عجائبات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک سفر

دہلی سے سہارنپور تک

آج سے تین چار سال بیشتر ہماری تحریک پر سہارن پور میں جامعہ غوثیہ رضویہ صابریہ کے نام سے پہلی بار اہل سنت کے ایک دینی تعلیمی ادارے کی بنیاد رکھی گئی۔ اور حکیم سید محمد احمد کے نام کے ایک مومن مجاہد کو اس کا مہتمم نامزد کیا گیا۔ میرے اصرار پر انہوں نے وسط شہر چمن آبادی میں تین بگہے کا ایک قطعہ اراضی تلاش کیا جس کی قیمت ایک لاکھ سولہ ہزار تھی میں نے ان سے کہا کہ اللہ کا نام لے کر بیعانہ کر لیجیے سہارن پور کے مٹھی بھر سنیوں میں اگر اسے خریدنے کی سکت نہیں ہے تو کیا ہوا خدا کی زمین بہت وسیع ہے۔ ہم اپنی بے سروسامانی کے عالم میں خدا کی کارساز رحمتوں کا کھلی آنکھوں سے تماشا دیکھیں گے۔

میری گزارش کے مطابق بیعانہ کی رقم ادا کرنے کے بعد رجسٹری کے لیے ایک سال کی مہلت حاصل کر لی گئی۔ مدن پورہ بنارس کے رؤسائے اہل سنت کو خدائے کریم وکارساز دونوں جہان کی ارجمندیوں، نعمتوں اور عزتوں سے سرفراز کرے کہ ہماری تحریک پر ان لوگوں نے اپنی تجوریوں کا منہ کھول دیا اور تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ہم جلد ہی اس قابل ہو گئے کہ زمین کی رجسٹری کرا لیں۔ حکیم صاحب کی ہمت مردانہ مشکلات کی زد پر سینہ تانے کھڑی نہ ہوتی تو یقین کیجیے کہ ہم اس کامیابی کا منہ ہرگز نہ دیکھ سکتے جواب ہر گوشے سے دیکھنے کے قابل ہے۔

فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

سہارن پور دیوبندی مسلک کے لوگوں کا شہر ہے۔ لیکن وہاں کے عوام کی اکثریت حضرت صابر کلیری کے ساتھ والہانہ عقیدت رکھتی ہے۔ اس رشتے سے ہم بہت پر امید ہیں کہ عقیدت کا یہ اشتراک کبھی نہ کبھی انہیں ہمارے قریب ضرور لائے گا۔ شروع شروع وہاں کے لوگ جامعہ غوثیہ رضویہ صابریہ کی تحریک کو خواب وخیال سمجھتے تھے لیکن زمین کی رجسٹری ہو جانے کے بعد انہیں احساس ہو گیا کہ منصوبہ ہوا پر نہیں ہے۔ پھر سہارن پور کے مطلع پر اس دن ہم بہت زیادہ نمایاں ہو گئے جس دن جلسۂ سنگ بنیاد کا پوسٹر وہاں کی دیواروں پر پڑھا جانے لگا جس میں صاف صاف تحریر تھا کہ ۲۵، ۲۶ / اپریل ۱۹۸۶ء کو اہل سنت کے اکابر و مشاہیر کے مقدس ہاتھوں سے جامعہ غوثیہ رضویہ کی مجوزہ عمارت کا سنگ بنیاد رکھا جائے گا۔

چوں کہ جلسۂ سنگ بنیاد کے پروگرام اور انتظامی امور کی ذمہ داری وہاں کے منتظمین نے بہت حد تک میرے سر بھی ڈال رکھی تھی اس لیے دو دن پیشتر ہی ۲۳ / اپریل کی صبح کو دہلی سے بذریعہ کار سہارن پور کے لیے روانہ ہو گیا۔ اہل سنت کے مشہور خطیب حضرت مولانا راشد القادری اور مولانا غلام رسول بلیاوی بھی جلسۂ سنگ بنیاد میں حصہ لینے کے لیے میرے شریک سفر ہو گئے۔

ہمارا قافلہ تھانہ بھون میں

دہلی سے روانہ ہو کر ہماری کار اس شاہراہ سے گزر رہی تھی جس کے دونوں طرف اکابر دیوبند کی بستیاں تھانہ بھون، شاملی، نانوتہ، انبیٹھ اور گنگوہ واقع ہیں۔ جب ہم تھانہ بھون کے قریب پہنچے تو یک بیک دل میں خیال گزرا کہ کتابوں میں جس تھانہ بھون کو اذیت وکرب کے ساتھ پڑھا تھا ذرا آنکھوں سے بھی اسے چل کر دیکھ لیا جائے شاید اندرون خانہ کی کچھ نئی گرہیں کھلیں اور کچھ نئے انکشافات سامنے

آئیں۔ تھانہ بھون کی آبادی میں داخل ہونے کے بعد ہم سب سے پہلے خانقاہ تھانویہ امداد العلوم میں گئے یہی وہ جگہ تھی جہاں مولانا اشرف علی سالہا سال تک مقیم رہے اور یہیں سے انہوں نے ساری دنیا میں اہانت رسول اور تنقیص اولیاء کے مشن کو پھیلا کر فتنۂ وہابیت کا مدعا پورا کیا۔

جیسے ہی ہم ان کی خانقاہ میں داخل ہوئے ہمیں اس کے جنوبی برآمدے میں ایک قبر نظر آئی جسے میلے کچیلے ٹاٹ سے ڈھک دیا گیا تھا لوگوں نے بتایا کہ صاحب مزار تھانوی صاحب کے سلسلۂ طریقت میں آتے ہیں۔ ہم نے صاحب مزار کو مخاطب کر کے دل ہی دل میں کہا کہ جائیے بچ گئے! اگر تھانوی صاحب کے بزرگوں میں نہ ہوتے تو آپ کا مدفن تلاش کرنے پر بھی نہ ملتا۔ اچانک مجھے یاد آیا کہ تھانوی صاحب نے بہشتی زیور میں بزرگوں کے مزارات پر چادر چڑھانے کو بدعت و حرام لکھا ہے۔ لیکن یہاں کپڑے کی چادر نہ سہی ٹاٹ کی چادر دیکھ کر وہ مثل یاد آ گئی کہ جا دو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔

خانقاہ کے برآمدے میں پہنچنے کے بعد ہمیں اس کی دیوار پر جلی قلم سے ایک تحریر نظر آئی۔

نشست گاہ حکیم الامۃ مولانا تھانوی

یہ تحریر پڑھنے کے بعد ہم دیر تک سوچتے رہے کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں سے محبوب الٰہی کی یادگاروں، نشانیوں اور نسبتوں کو مٹانے کی پوری قوت کے ساتھ تحریک چلائی گئی تھی۔ اگر وہی شریعت اسلامی کا اصل منشا تھا اگر اسی سے عقیدۂ توحید کا تحفظ ہو سکتا تھا تو پھر یہ نشست گاہ حکیم الامۃ کا مطلب کیا ہے؟ کیا یہ ان کی یادگار، ان کی نشانی اور ان کی نسبت کو باقی رکھنے کی ایک نا محمود

کوشش نہیں ہے؟ کیا اس کا کھلا ہوا مطلب یہ نہیں ہے کہ تھانوی صاحب کی نشست گاہ کو نہ ذہن و نگاہ سے مٹنے دیا جائے اور نہ زمین کے جغرافیہ سے لیکن دوسری طرف اپنی اسی نشست گاہ سے تھانوی صاحب نے ان نجدی درندوں کو تہنیت اور مبارکبادی کا پیغام بھیجا تھا جنہوں نے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں رسول عربی حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس یادگاروں کو زمین کے نقشے سے صرف اس لیے مٹا دیا تھا کہ عشاق انہیں دیکھ کر معلوم کرتے تھے کہ یہاں حضور نے نماز ادا فرمائی تھی، یہاں حضور جلوہ فرما ہوئے تھے یہاں حضور نے آرام فرمایا تھا اور حضور کو یہاں فلاں واقعہ پیش آیا تھا۔ دیوبندی مسلک کے مطابق رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ساری یادگاریں اس لیے ڈھا دی گئیں کہ ان سے عقیدۂ توحید کے تقاضوں کو ٹھیس پہنچتی تھی اور عشق و عقیدت کے وہ سارے نقشے زمین سے اس لیے مٹا دیئے گئے کہ ان سے شرک و بدعت کو پروان چڑھنے کا موقع ملتا تھا۔ لیکن تھانہ بھون میں تقویۃ الایمان کے مصنف کی روح چیختی رہی، بہشتی زیور کا ورق ورق سر پٹکتا رہا مگر اس کے باوجود نشست گاہ حکیم الامۃ پر آنچ تک نہ آئی۔ اسے کہتے ہیں اپنے اور بیگانے کا فرق!

دیوبندی مذہب کے خونریز تصادم پر ہم محو حیرت ہی تھے کہ اچانک نگاہ اٹھی اور نشست گاہ حکیم الامۃ کی سطر کے نیچے ایک اور سطر مجھے نظر آئی۔

ولادت ۱۲۸۰ھ ——— وفات ۱۳۶۲ھ

دل نے کہا میلاد اور عرس تو تھانوی صاحب کے یہاں حرام تھا پھر یہ ان کی ولادت اور وفات آخر کیا چیز ہے؟ اگر اس کا مدعا لوگوں کو یہ بتانا ہے کہ تھانوی صاحب کی ولادت کب ہوئی تھی اور ان کی تاریخ وفات کیا ہے تو پھر

اُمت کو یہ بتانے کی ضرورت کیوں نہیں ہے کہ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مقربین کی تاریخ وصال کیا ہے ؟

پھر سمجھ میں بات نہیں آتی کہ یہی حقائق ہم محفل میلاد اور تقریبات عرس کے ذریعہ زندہ رکھیں تو وہ حرام اور بدعت ہو جائے اور یہاں نوشتۂ دیوار کے ذریعہ شب و روز اپنے حکیم الامتہ کا میلاد و عرس منایا جا رہا ہے تو وہ جائز ہی نہیں باعث برکت اور کار ثواب ہے ۔

خانقاہ کے ایک صاحب جو میرے پاس ہی کھڑے تھے میرے تیور سے غالباً انہوں نے میرے احساسات کا اندازہ لگا لیا اور صفائی پیش کرتے کے انداز میں کہنے لگے ۔ ہمارے حضرت دین کے معاملے میں بہت سخت تھے ۔ ان سے اگر زندگی میں دریافت کیا گیا ہوتا کہ آپ کی وفات کے بعد ہم لوگ آپ کی نشست گاہ کو بطور یادگار محفوظ رکھیں گے تو وہ کبھی اس کی اجازت نہ دیتے ۔ یہ سارا کاروبار بعد والوں کا ایجاد کردہ ہے ۔ اسی دوران تھانوی صاحب کی نشست گاہ کی پشت پر مجھے ایک کوٹھری نظر آئی جس کی پیشانی پر جلی حرفوں میں لکھا تھا ۔

خلوت گاہ حضرت حافظ محمد ضامن شہید

دروازہ کھلا ہوا تھا ۔ اندر جھانک کر دیکھا تو ایک صاف ستھرا مصلیٰ بچھا ہوا تھا اور بس ! ابھی میں خلوت گاہ کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ مولانا راشد القادری نے قبلے کی سمت میں واقع ایک اور کوٹھری کی طرف اشارہ کیا جس کے دروازے پر موٹے قلم سے لکھا ہوا تھا ۔

خلوت گاہ سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

نوشتۂ دیوار پڑھتے ہوئے ہم تیزی سے اس طرف بڑھ گئے ۔ اس خلوت گاہ کا بھی دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہاں بھی اندر ایک مصلیٰ بچھا ہوا تھا جو کسی سجدہ کرنے والے کا منتظر تھا ۔ دونوں خلوت گاہوں کا جائزہ لینے کے بعد ہم سوچنے لگے مدت ہوئی ان خلوت گاہوں میں عبادت و ریاضت کرنے والے عبادت و ریاضت کر کے اس دنیا سے چلے گئے لیکن آج ان حجروں میں مصلے بچھانے کا کیا مصرف ہے ؟ نماز پڑھنے کے لیے ساری مسجد پڑی ہے ۔ آخر یہاں کس کے لیے مصلیٰ ہر وقت تیار رکھا جاتا ہے ۔ ذہن پر زور دینے کے بعد سمجھ میں آیا کہ یہاں جو عقیدت مند حضرات خانقاہ کی زیارت کے لیے آتے ہیں وہ نسبت کا فیض اور برکت حاصل کرنے کے لیے ان مصلوں پر نماز ادا کرتے ہوں گے ۔ کیونکہ اگرچہ یہ مصلیٰ بعینہٖ وہ مصلیٰ نہیں ہے جس پر حافظ محمد ضامن شہید اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے نمازیں پڑھیں تھیں لیکن جگہ بہر حال وہی ہے جہاں انہوں نے اپنے اپنے مصلے بچھائے تھے ۔

محبت کی دنیا میں حصول برکت اور اظہار عقیدت کے لیے محبوب کے ساتھ اتنا تعلق بھی بہت کافی ہے ۔ لیکن پھر وہی سوال ابھر کر سامنے آتا ہے کہ محبت کی دنیا کا یہ دستور حجاز مقدس کی سرزمین پر کیوں ناقابل برداشت ہے ۔ کیوں وہاں وہ ساری مسجدیں توڑ دی گئیں جہاں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی اور جہاں حصول برکت اور اظہار عقیدت کے طور پر دور دراز خطۂ ارض سے آنے والے عشاق نماز پڑھ کر نسبت کے فیضان سے مشرف ہوتے تھے ۔

ہم نے دل میں سوچا کہ یہاں تو یہ غدر کبھی اب چلنے والا نہیں ہے کہ ہمارے حضرت دین میں بہت سخت تھے اگر وہ زندہ ہوتے تو ہرگز یہ برداشت نہیں کرتے کہ خلوت گاہوں کی اس طرح نمائش کی جائے کیوں کہ یہ سارا کاروبار تو حضرت ہی کے زمانے سے چلا آرہا ہے جو آج تک قائم ہے۔

اب دیوبندی جماعت کے علما ہی کو اس مشکل کا حل تلاش کرنا ہے کہ خانقاہ تھانویہ کی بدعتیں ان کے مذہب کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان کے چوکھٹے میں بغیر شکست و ریخت کے کیونکر فٹ ہو سکیں گی؟

ایک اور غیرت ناک تماشہ

سہ دری والے برآمدے سے لوٹتے ہوئے میری نظر ایک فریم کیے ہوئے کاغذ پر پڑی جسے تھانوی صاحب کی نشست گاہ والی دیوار میں آویزاں کیا گیا تھا۔ اس کاغذ کو غور سے دیکھا تو اس میں یہ اشعار لکھے ہوئے تھے۔

اس سہ دری اشرف فردوس مکاں میں
جب آئے زیارت کو تو باچشم تر آئے
جو بزم بھری رہتی تھی مستان خدا سے
خالی وہ نظر آئے تو کیوں جی نہ بھر آئے

(۲)

جہاں ہوگی برکت وہ ہوگی یہیں کی
ضرورت ہی کیا ہے کسی جانشیں کی
یہاں رہتے تھے قطب ارشاد عالم
یہ تھی تربیت گاہ روئے زمیں کی

یہ اشعار پڑھ کر مجھے زلزلہ کے مباحث یاد آگئے میں بار بار سوچتا رہا کہ آخر دیوبندی حضرات کے یہاں دو طرح کی شریعتیں کیوں ہیں۔ ایک شریعت تو وہ ہے جو اپنی کتابوں میں وہ ظاہر کرتے ہیں اور جس کے چلتے ساری دنیا سے کٹ کر وہ تنہا رہ گئے ہیں۔ اور دوسری شریعت وہ ہے جو ان کے گھروں میں نظر آتی ہے اور دونوں شریعتیں ایک دوسرے سے بالکل متصادم ہیں۔

مثال کے طور پر ان کے مذہب کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان میں ان لوگوں کو مشرک قرار دیا گیا ہے۔ جو دُور دُور سے سفر کرکے کسی مکان کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ چنانچہ اسی بنیاد پر مدینہ شریف جانے والوں کو یہ لوگ تاکید کرتے ہیں کہ روضہ پاک کی زیارت کی نیت نہ کریں بلکہ مسجد نبوی کی زیارت کی نیت کریں لیکن یہاں خانقاہ تھانویہ کی "اس سہ دری اشرف فردوس مکاں" کے لیے لوگوں کو کھلے بندوں ترغیب دی جارہی ہے کہ وہ اس کی زیارت کے لیے آئیں اور اس شان سے آئیں کہ آنکھیں فرطِ عقیدت سے نم ہوں۔

اب آپ ہی ایمان کو گواہ بنا کر فیصلہ کیجیے کہ ایک طرف تو اُمت کو اپنے نبی کے روضہ کی زیارت سے روکا جارہا ہے اور دوسری طرف "سہ دری اشرف فردوس مکاں" کی زیارت کے آداب سکھائے جارہے ہیں ؎

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

اسی کے ساتھ طالبان حق کے لیے ایک سوالیہ نشان یہ بھی ہے کیا تھانہ بھون کی اس سہ دری کو اشرف فردوس مکاں کہنا عقیدت کا وہ غلو نہیں ہے جس کی مذمت میں تقویۃ الایمان کے ورق کے ورق سیاہ ہیں۔ اور پھر یہ سوال بھی اپنی جگہ بے لاگ توجہ کا طالب ہے کہ "جہاں ہوگی برکت وہ ہوگی یہیں کی" اس مصرعہ کا صحیح مصداق مدینہ ہے یا تھانہ بھون؟

ایمان کا ضمیر ان سوالوں کا کیا فیصلہ کرے گا اسے سننے کے لیے گوش بر آواز رہیے؟

اور "یہاں رہتے تھے قطب ارشاد عالم" اس کے متعلق بھی بتایا جائے کہ اس مصرعہ میں قطب کا لفظ کہاں سے مستعار لیا گیا ہے اور کیوں لیا گیا ہے کیونکہ غوث وقطب اور مخدوم وخواجہ جیسے ڈھلے ہوئے الفاظ تو اہل بدعت کے یہاں رائج ہیں۔ اور صرف الفاظ ہی نہیں رائج ہیں بلکہ ان کے پیچھے تکوینی اختیارات وتصرفات کا ایک مربوط عقیدہ بھی کارفرما ہے جسے تقویۃ الایمان والے مشرکانہ عقیدے سے تعبیر کرتے ہیں۔

تقویۃ الایمان اور بہشتی زیور میں شرک وبدعت کی جو تعریفات نقل کی گئی ہیں اگر ان سے انحراف ہی کرنا تھا تو تھانہ بھون والوں کو صاف صاف اعلان کر دینا چاہیے تھا کہ ہم نے اپنا پرانا مذہب تبدیل کر کے اب شرکیہ عقیدوں سے مصالحت کر لی ہے۔

تھانوی صاحب کی قبر پر ایک مجاور

خانقاہ تھانویہ کا جائزہ لینے کے بعد ہم لوگوں نے سوچا کہ ذرا تھانوی صاحب کے مقبرے کو بھی دیکھ لیں تاکہ اندازہ ہو جائے کہ اجمیر اور کلیر پر انگلی اٹھانے والے اپنے گھر میں کتنے صاف ستھرے ہیں۔

خانقاہ والوں نے بتایا کہ تھانوی صاحب کی قبر ایک باغ میں ہے جو یہاں سے کچھ فاصلے پر ہے راستہ دکھانے کے لیے خانقاہ کے دو طالب علم ہمارے ساتھ کار میں بیٹھ گئے۔ کچھ دوری پر ہم نے کار کھڑی کر دی اور اتر کر پیدل چلنے لگے۔ باغ کے باہر ہمیں ایک چہار دیواری نظر آئی اس پر چاروں طرف سے لوہے

کی ایک جالی لگی ہوئی تھی اندر ایک قبر تھی جو خاصی اونچی تھی دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ "حافظ محمد ضامن شہید" کی قبر ہے۔

اس خطہ میں عمارت والی ایک قبر دیکھ کر ہمیں بڑی حیرت ہوئی ہم دیر تک سوچتے رہے کہ تقویۃ الایمانی مذہب میں تو کسی قبر کے ساتھ اتنا اہتمام بھی شرک سے کم نہیں ہے، پھر تعجب ہے کہ تھانوی صاحب نے اپنی زندگی میں شرک وبدعت کے اس صنم کدے کو کیونکر گوارہ کیا۔ مدینہ کا جنت البقیع اور مکہ کے جنت المعلیٰ کی قبروں کی طرح اس قبر کی عمارت بھی کیوں نہیں ڈھا دی گئی۔

بہرحال دیوبند کے دورخے مذہب کا یہ تماشا دیکھتے ہوئے ہم آگے بڑھ گئے۔ چند ہی قدم کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم اس باغ کے اندر تھے جہاں تھانوی صاحب کی قبر تھی۔ دور ہی سے ہمیں ایک آدمی نظر آیا جو قبر کے آس پاس جھاڑو دے رہا تھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ مجاور صاحب ہیں جو شب وروز یہیں رہتے ہیں اور قبر کی خدمت کیا کرتے ہیں۔ ان کی قبر کے بالکل سامنے ہی ایک نہایت عالی شان عمارت نظر آئی۔ خانقاہ سے ساتھ آنے والوں نے بتایا کہ یہ "آستانۂ قدسی" ہے۔ تھانوی صاحب نے اپنی زندگی ہی میں اس عمارت کی تعمیر کرائی تھی اور ایک قطعۂ تاریخ سنگ مرمر پر کندہ کروا کر اسے عمارت کی پیشانی پر نصب کر دیا تھا۔

قطعۂ تاریخ کی عبارت جو ہم نے لوح تاریخ سے نقل کی تھی وہ یہ ہے۔

کرد قدسی نزول چوں ایں جا
جستم از دل سن ظہور وسرور
گفت دل "آستانۂ قدسی"
ہم بیفزا برو تجلی طور

آخری کلمہ

یہاں تک جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ میرے عینی مشاہدات ہیں جنہیں نہایت دیانت داری کے ساتھ زمین سے کاغذ پر منتقل کیا ہے۔ جھٹلانے والوں کو میرا ایک ہی جواب ہے کہ وہ تھانہ بھون کا سفر کر کے خانقاہ سے لے کر آستانۂ قدسی تک جیتی جاگتی بدعات کا تماشا خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ کیونکہ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے؟ اور اس کے بعد غیر جانب داری کے ساتھ میرے ان سوالات پر غور فرمائیں۔

- تھانوی صاحب کی قبر کی خدمت اور گرد و پیش کی صفائی کے لیے ایک مجاور کی تقرری، کیا ان عقیدوں، فتوؤں اور تحریروں کے مطابق ہے جو تقویۃ الایمان" بہشتی زیور، فتاویٰ رشیدیہ اور براہین قاطعہ میں ہم پڑھتے ہیں۔ اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو ہمیں بدعتی اور قبوری شریعت کا طعنہ دینے والے اپنے گھر کا "سومناتھ" کیوں نہیں دیکھتے؟

- تھانوی صاحب نے ۱۳۶۲ھ میں انتقال کیا تھا اس طرح ان کے انتقال کو پینتالیس برس ہو گئے۔ اتنی طویل مدت کے بعد بھی آستانۂ قدسی میں ان کی قبر کا نشان جوں کا توں موجود ہے۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ ہر سال ان کی قبر پر نئی نئی مٹی ڈالی جاتی ہے کسی قبر کو باقی رکھنے کے لیے اس طرح کے اہتمام کا کوئی جواز دیو بندی لٹریچر میں موجود ہو تو دکھلایا جائے۔

- آستانۂ قدسی پر تھانوی صاحب نے تجلی طور کی جو بات کی ہے اگر یہ صحیح ہے تو اسی تجلی کی تلاش میں دوسرے آستانوں پر جانے والوں کو شرک کہنے والے اپنے منہ پر تھپڑ کیوں نہیں مارتے؟ ان سوالوں کے جوابات کے لیے ہم گوش بر آواز رہیں گے——!

ظلمت کدے میں ایک روشن چراغ

باغ سے باہر نکل کر جب ہم واپس

جانے لگے تو خاصے فاصلے پر ہمیں پتھر کی ایک گنبد والی عالیشان عمارت نظر آئی۔ دریافت کرنے پر لوگوں نے بتایا کہ اس دیار کے مشہور بزرگ شاہ ولایت کا یہ روضۂ مبارک ہے۔ خطۂ نجد میں شاہ ولایت کا نام سن کر دل پر وجد و مسرت کا ایک عجیب عالم طاری ہو گیا۔ وہیں سے ہم نے کار کا رُخ موڑ دیا اور کشاں کشاں دربار میں حاضر ہوئے۔ یہاں پہنچ کر نحوستوں کے ویرانے اور رحمتوں کے کاشانے کا فرق ہمیں ماتھے کی آنکھوں سے نظر آیا ہر طرف گلشن فردوس کی خوشبو، چپہ چپہ پر فیضان کی بارش، عرفان الٰہی کی ایک شمع زمین کے تہہ خانے میں فروزاں تھی لیکن اس کی تجلی سے در و دیوار جگمگا رہے تھے۔ ہم روضۂ شریف کے گنبد سے باہر نکلے تو خدام اور زائرین نے ہمیں گھیر لیا۔ لوگوں نے بتایا کہ صدیوں سے شاہ ولایت کا یہ آستانہ مرجع خلائق ہے۔ ہر سال ۲۴، ۲۵، ۲۶ رجب کو یہاں عقیدت مندوں کا زبردست میلہ لگتا ہے۔ اس موقع پر جو چراغاں ہوتا ہے وہ اس دیار کی عجیب و غریب چیز ہے۔ انوار کی بارش سے سارا خطہ جگمگانے لگتا ہے۔ شہر کے علاوہ دور دراز کے علاقوں سے بھی ہزاروں افراد عرس میں شریک ہوتے ہیں۔ ان ایام میں تین دنوں تک یہاں رحمتوں اور عقیدتوں کی بہار کا سماں رہتا ہے——!

شاہ ولایت کی شوکت اقتدار اور ان کی روحانی کشش کا قصہ لوگ اچھل اچھل کر سناتے رہے اور ہم مزے لے لے کر سنتے رہے اور ہر لمحہ ذہن کی سطح پر یہ سوال ابھرتا رہا کہ یہاں نہ اجمیر و کلیر کا کوئی مشرک ہے اور نہ بریلی کا کوئی بدعتی! آخر عرس و عقیدت کا یہ ہنگامۂ شوق اس خطۂ نجد میں کس کی بدولت زندہ ہے؟

ٹھیک ہی کہا ہے کہنے والوں نے کہ——!

ع حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

اس سرگزشت کے خاتمے پر دیو بندی مذہب کے رہنماؤں سے کان میں

ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ اس مردہ مذہب کا جنازہ اُٹھائے پھرنے سے کیا فائدہ؟ جو نہ آپ کے گھروں میں موجود ہے اور نہ آپ کی آبادیوں میں صرف کتابوں میں قید کر کے رکھنے کا مصرف سوا اس کے اور کیا ہے کہ عوام کو لڑایا جائے اُمّت کا شیرازہ اتنا منتشر کر دیا جائے کہ وہ کبھی جمع نہ ہو سکیں۔

خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے واپس ہوتے ہوئے مکتبہ ادارہ "تالیفات اشرفیہ" دیکھنے کا بھی موقع ملا۔ مکتبہ کے مہتمم نے بتایا کہ سلسلۂ امدادیہ کے مورث اعلیٰ میانجیو نور محمد صاحب کی سوانح حیات پر ایک نئی کتاب شائع ہوئی ہے جو تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں سلسلۂ امدادیہ کے اکابر و مشائخ کے واقعات و احوال نہایت تفصیل کے ساتھ جمع کئے گئے ہیں۔ اپنے اکابر کے سلسلے میں دیوبندی مصنفین کے مشرکانہ غلو سے چونکہ میں خوب واقف ہوں اس لیے میں نے وہ کتاب خریدلی کہ ممکن ہے نشاندہی کے قابل کچھ چیزیں اس میں نکل آئیں۔

سہارنپور میں جامعہ غوثیہ رضویہ کے سنگ بنیاد کانفرنس کی مصروفیات کی وجہ سے کتاب کے مطالعہ کا موقع مجھے نہیں مل سکا لیکن اپنے مستقر پر واپس لوٹنے کے بعد جب میں نے کتاب کا مطالعہ کیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کتاب کے مصنف نے اپنے مورث اعلیٰ کی سوانح حیات لکھنے کے بجائے اپنی جماعت کی مذہبی خودکشی اور فکری تصادم کی ایک نہایت خونریز تاریخ مرتب کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آنے والے اوراق میں کتاب کے اقتباسات پڑھنے کے بعد قارئینِ کرام میری اس رائے سے مکمل اتفاق کریں گے۔

کتاب کے مشتملات پر بحث کا آغاز کرنے سے پہلے "قاری طیب صاحب آنجہانی مہتمم دارالعلوم دیوبند کی ایک تحریر پیش کرنا چاہتا ہوں جو ٹائیٹل

کے آخری صفحہ پر درج ہے۔ اس تحریر سے دیوبندی حلقے میں کتاب کی ثقاہت اور مقام اعتبار اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت قطب عالم میانجیو نور محمد جھنجھانوی قدس سرہٗ العزیز کی ذات بابرکات سلسلۂ چشتیہ اور سلسلۂ اکابر دیوبند میں ایک غیر معمولی ہستی ہے۔ اس مقدس ہستی کی سوانح حقیقتہً تواریخوں اور دلوں میں لکھی لکھائی موجود ہے۔ علم و فضل کا کون خانوادہ اور کون فرد ہے جو اس نور محمد سے واقف نہیں لیکن رسمی طور پر صفحات قرطاس پر اس سوانح کے مرقوم ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ الحمد للہ اس ضرورت کو ایک حد تک جناب محترم نسیم صاحب علوی نے جو حضرت اقدس کی ذریت صالحہ میں ہیں، پورا کر دیا ہے۔ اور حضرت میانجیو صاحب قدس سرہ کے حالات طیبات جہاں تک انھیں کتب سے دستیاب ہو سکے انہوں نے ایک اچھی ترتیب اور ممکنہ تحقیق کے ساتھ قلم بند فرما دیا ہے جس کا یہ مجموعہ باصرہ نواز ناظرین ہو رہا ہے۔ ہم سب کو منشی صاحب ممدوح کا ممنون ہونا چاہیئے کہ جنہوں نے اس مخفی اور منتشر علمی خزانے کو یکجا کر کے مستفیدین کو استفادہ کا موقع بخشا ہے۔ حق تعالیٰ ممدوح کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (سوانح میانجیو نور محمد ٹائیٹل کا آخری صفحہ)

مصنف نے اصل موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے قصبہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر کی تاریخ لکھتے ہوئے بتایا ہے کہ تقریباً ۵۷۶ھ میں سید سالار محمود سبزواری نام کے ایک بزرگ جو زنجبار کے شہزادہ تھے اپنے پیر و مرشد کے حکم پر یہاں تشریف لائے اور انہوں نے جھنجھانہ کے ظالم و بدکردار راجہ کے خلاف لشکر کشی

کی اور اسے کیفر کردار تک پہنچایا اور اسی جنگ میں انہوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔ اسی نسبت سے انھیں امام شہید بھی کہا جاتا ہے۔ لکھا ہے کہ

"امام شہید رحمۃ اللہ علیہ کا مرقد مقدس بھی جھنجھانہ ہی میں ہے اور زیارت گاہ خواص وعام ہے۔ دور و نزدیک کے مسلمان ہی نہیں بلکہ اہل ہنود حضرات بھی اس درگاہ سے بڑی عقیدت ومحبت رکھتے ہیں اور نذر و نیاز کرتے ہیں۔ ماہ محرم کی ۱۲ ر ۱۳ ر ۱۴ ر تاریخوں میں آپ کا عرس بھی ہوتا ہے"۔ (سوانح حیات حضرت میانجیو ص ۱۲)

اسی طرح شاہ اعظم خیالی نام کے ایک بزرگ کا تذکرہ کرتے ہوئے مصنف کتاب نے لکھا ہے کہ ۲۳ ر ذی الحجہ ۹۴۹ھ میں آپ کا وصال ہوا بروز دوشنبہ آپ کی فاتحہ سوم کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کتاب کا مصنف لکھتا ہے۔!

۲۹ ر تاریخ دوشنبہ کے دن آپ کی مجلس سوم منعقد ہوئی جس میں اکثر اہل حال جیسے بندگی شیخ محمد یعقوب خراباتی، بندگی شیخ مبارک جھنجھانوی و شیخ یحییٰ مجذوب وغیرہ حاضر تھے۔

(سوانح حیات حضرت میانجیو ص ۲۹)

یہاں یہ بات نوٹ کر لینے کے قابل ہے کہ قصبہ جھنجھانہ میں عرس، نذر و نیاز، مجلس سوم، مرقد و گنبد اور اہل حاجات کی یہ ساری منہ بولی بدعات اس وقت سے رائج ہیں۔ جب کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ اس خاکدان ہستی میں تشریف بھی نہیں لائے تھے۔ کئی صدیوں کے بعد وہ بریلی کی سرزمین پر جلوہ فرما ہوئے لیکن حیرت ہے کہ اپنے گھر کی ان کھلی ہوئی شہادتوں کے باوجود دیوبندی علماء ان ساری بدعات کو اعلیٰ حضرت کی طرف منسوب کرتے ہوئے ذرا نہیں جھجکتے۔ ان تاریخی حقائق کا خون کرتے ہوئے کچھ تو انہیں شرم کرنی چاہیے تھی کہ جن کے

روحانی آباء و اجداد خود طرح طرح کی بدعتوں میں ملوث تھے وہ دوسروں کو کس منہ سے بدعتی اور جہنمی بکتے ہیں۔

ع مجھ کو دیوانے بھی کہتے ہیں کہ دیوانہ ہے

اتنی تمہید کے بعد اب آیئے صاحب سوانح میانجیو نور محمد صاحب کے حالات زندگی پر کتاب کے چند اقتباسات کا جائزہ لیں۔ واضح رہے کہ حضرت میانجیو نور محمد، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے پیر و مرشد ہیں۔

لکھا ہے کہ میانجیو کی ولادت ۱۲۰۱ھ ر ۱۷۸۶ء بمقام جھنجھانہ ہوئی۔ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد قصبہ لوہاری میں ایک معلم کی حیثیت سے طویل عرصہ تک کام کرتے رہے۔ اسی قصبہ لوہاری کے متعلق شیخ دیوبند مولانا حسین احمد صاحب کے یہ تاثرات جنہیں اس کتاب کے مصنف نے نقل کیا ہے، دیدۂ حیرت سے پڑھنے کے قابل ہیں۔

آپ کے زمانہ میں ہندوستان کا دنیاوی پایۂ تخت تو دہلی تھا اور روحانی پایۂ تخت لوہاری تھا۔ اب جس کو روحانی دنیا کی بادشاہت مل گئی ہے اور جو قبلۂ روحانیت قرار پایا۔ اس کے ہاتھ میں کیا کچھ نہیں ہوگا اس کے ایک اشارۂ ابرو پر کرامت تو کیا قیامت کا ظہور ہو سکتا تھا۔ (سوانح میانجیو ص ۶۱)

ایک طرف اپنے دادا پیر کے ساتھ جذبۂ دل کی یہ فراوانی ملاحظہ فرمائیں اور دوسری طرف مومنین کے آقا سید العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پروردۂ نگاہ حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ان حضرت کے عقیدے کی یہ زبان پڑھیے۔

جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔

(تقویۃ الایمان ص ۱۰ ر اشد کمپنی دیوبند)

جسے روحانی دنیا کی بادشاہت مل گئی اس کے ہاتھ میں کیا کچھ نہیں ہوگا اور جسے پوری کائنات ارضی و سماوی کی حکومت و خلافت عطا ہوئی اسے کسی چیز کا اختیار نہیں واہ رے دیوبندی بوالعجبی!

واقعات میانجیو کے اختیارات و تصرفات کے ثبوت میں مصنف کتاب نے بہت سارے واقعات نقل کئے ہیں ان میں سے چند واقعات ذیل میں صرف اس لیے نقل کئے جاتے ہیں کہ قارئین کرام دیوبندی مذہب کے تضادات، مسلکی تصادم اور اصولوں سے انحراف کے عبرت انگیز نمونے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ اور غیر جانب داری کے ساتھ فیصلہ کریں کہ کتاب و سنت میں منافقین کی جو علامتیں بیان کی گئی ہیں وہ اس دور میں کن لوگوں پر منطبق ہوتی ہیں۔

پہلا واقعہ مصنف کتاب، حضرت میانجیو نور محمد صاحب کی غیبی قوت ادراک پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

آپ کی عجیب و غریب پیشین گوئی کا حال سنئے جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ عارف کی نگاہ اس دنیا میں جنتی اور دوزخی کو پہچان لیتی ہے حضرت حاجی امداد اللہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے پیر و مرشد کے ساتھ میرے پیر بھائی شیخ امام الدین تھانوی جھنجھانہ گئے تھے اور وہ زمانہ حضرت کے مرض الموت کا تھا، جب شیخ تھانہ بھون واپس آنے لگے تو حضرت نے فرمایا جسے دنیا میں جنتی دیکھنا ہو ان کو دیکھ لے۔ (سوانح میانجیو ص ۶۵)

ایک طرف اپنے دادا پیر میانجیو نور محمد صاحب جھنجھانوی کے بارے میں دیوبندی علماء کا یہ کھلا ہوا اعتراف ملاحظہ فرمایئے کہ کون جنتی ہے اور کون دوزخی

ہے یہ معلوم کرنے کی قوت انہیں دنیا ہی میں حاصل تھی اور وہ صرف دیکھ کر بتا دیتے تھے کہ یہ جنتی ہے اور وہ دوزخی ہے لیکن حبیب کبریا سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں علماء دیوبند کا یہ عقیدہ اب ڈھکا چھپا نہیں ہے کہ حضور کو خود اپنے خاتمہ کی بھی خبر نہیں تھی دوسروں کا حال تو انہیں کیا معلوم ہوتا — !

اب اس کے بعد بھی اگر کوئی کہتا ہے کہ علماء دیوبند کے ساتھ اہل بریلی کے اختلاف کی کوئی حقیقی بنیاد نہیں ہے تو اسے اپنی رائے کی غلطی واضح طور پر محسوس کرنی چاہیئے۔

دوسرا واقعہ لکھا ہے کہ جھنجھانہ ہوتے ہوئے جوگیوں کا ایک گروہ ہردوار گنگا اشنان کرنے جا رہا تھا اس نے جھنجھانہ میں میانجیو کے مہمان کی حیثیت سے ایک رات قیام کیا۔ صبح جب روانگی کا وقت آیا تو اجازت لینے کے لیے ان کا گرو خدمت میں حاضر ہوا۔ اب اس کے بعد کا واقعہ خود مصنف کتاب کی زبانی سنئے۔

اور عرض کیا ہم ہردوار جا رہے ہیں ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمایئے آپ نے ان کو اپنا لوٹا دیا اور فرمایا کہ ہمارا یہ لوٹا گنگا مائی کو دے دینا اور کہنا کہ یہ لوٹا میانجیو نور محمد نے دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے بھر دے اگر وہ بھر کر نہ دے تو مت لانا۔ (سوانح ص ۶۷)

اب اس کے بعد کا واقعہ دیدہ خون آشوب سے پڑھنے کے قابل ہے لکھا ہے کہ لوگ اشنان وغیرہ سے فارغ ہو کر ہردوار سے لوٹنے لگے تو ہر کی پیڑی پر کھڑے ہو کر کہا کہ یہ لوٹا میانجیو نے دیا ہے اسے جل سے بھر دو۔ فوراً گنگا میں سے ایک زنانہ اور نہایت خوبصورت ہاتھ جس

کو مہندی لگی ہوئی تھی اور چوڑیاں پہنے ہوئے تھا برآمد ہوا اور لوٹا لے لیا اور اسے گنگا جل سے بھر کر واپس کر دیا پھر وہ پانی سے بھرا ہوا لوٹا اس گرو نے آکر حضرت کی خدمت میں پیش کیا اور یہ تمام ماجرا بیان کیا۔

(سوانح میاں جیو ص ۶۸)

واقعہ نگار نے اس گنگا جل کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے کہ وہ پرساد کی طرح آپس میں تقسیم کیا گیا یا تبرک کے طور پر اسے محفوظ رکھ لیا گیا لیکن واقعہ کی بنیاد پر مندرجہ ذیل سوالات کی زد سے علماء دیوبند اپنے آپ کو ہرگز نہیں بچا سکیں گے کہ

① گنگا مائی کے لفظ کے ساتھ جو عقیدہ لپٹا ہوا ہے وہ اہل اسلام کا ہے یا ہند کے مشرکین کا؟ اگر اہل اسلام کا ہے تو اسلام کا شرک کے ساتھ تصادم کس بات میں ہے اور کیوں ہے؟ اور اگر ہند کے مشرکین کا ہے تو علماء دیوبند اسے بیان کر کے کس کے عقیدے کی ترجمانی کر رہے ہیں واضح طور پر بتایا جائے؟

② کیا یہ واقعہ ہندوؤں کے اس مشرکانہ عقیدے کی صحت کے لیے دلیل فراہم نہیں کرتا کہ دریائے گنگا میں گنگا مائی کے نام سے کسی عورت کا وجود فرضی نہیں ہے بلکہ امر واقعی ہے۔ کیا علماء دیوبند اس الزام سے انکار کر سکیں گے کہ ان کے دادا پیر نے اپنے کشف و کرامات کے ذریعہ ہندوؤں کے ایک مشرکانہ عقیدے کی توثیق فرمائی ہے۔

③ ہندوؤں کے عقیدے میں گنگا مائی کے نام سے کسی عورت کا وجود فرضی ہے اور اختراعی ہے تو علمائے دیوبند جواب دیں کہ مہندی اور چوڑی والا یہ خوبصورت ہاتھ کس کا ہے؟ جس کا مشاہدہ کرایا گیا۔

④ اور اس سوال کا جواب بھی دیا جائے کہ کیا خدائے قدیر اپنے مقرب بندوں

کو کشف و کرامات کی قدرت کفر کی تائید کے لیے عطا کرتا ہے؟ اگر نہیں تو تصرف کا یہ واقعہ کس خانے میں رکھنے کے قابل ہے؟

تیسرا واقعہ لکھا ہے کہ جھنجھانہ کے کسی پٹھان کا لڑکا فوج میں بھرتی ہو کر کسی لڑائی پر گیا ہوا تھا جب بہت دن ہو گئے تو اس کے باپ نے میاں جیو کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ آپ دعا کر دیجئے کہ میرا لڑکا بخیر و عافیت گھر واپس آ جائے کچھ دنوں کے بعد لڑکا اپنے گھر واپس آیا تو اس نے اپنی یہ سرگزشت سنا کر

ایک روز میں میدان جنگ میں تھا اور جنگ جاری تھی اور گولیوں کی بوچھار ہو رہی تھی میں ایک گولی کی زد میں آیا ہی چاہتا تھا کہ اچانک حضرت میاں جیو صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک طرف کھینچ لیا۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو میں گولی کا نشانہ بن جاتا۔ جب تحقیق کیا تو یہی وہ دن تھا جس دن آپ سے دعا کی درخواست کی گئی۔

(سوانح میاں جیو ص ۴۷)

اگر لڑکے کا بیان صحیح ہے تو ماننا پڑے گا کہ میاں جیو کے اندر زبردست غیبی قوت ادراک تھی کہ انہوں نے جھنجھانہ میں بیٹھے بیٹھے یہ معلوم کر لیا کہ لڑکا فلاں مقام پر میدان جنگ میں ہے اور وہ گولیوں کی زد پر ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ان کے اندر تصرف کی بھی زبردست قوت تھی کہ پلک جھپکتے وہاں پہنچ گئے اور لڑکے کو گولیوں کی زد سے بچا لیا لیکن غیبی قوت ادراک اور تصرف کا یہ عقیدہ جسے میاں جیو کے حق میں بطور واقعہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اسے علمائے دیوبند سید الانبیاء رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں شرک سمجھتے ہیں۔ حوالہ کے لیے تقویۃ الایمان کا کوئی بھی ورق کھول لیجئے آپ کی آنکھیں

پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

چوتھا واقعہ

لکھا ہے کہ اپنی وفات کے وقت میانجیو نور محمد صاحب نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کو اپنے قریب بلایا اور الوداعی کلمات ارشاد فرمائے کہ میرا ارادہ تھا کہ سلوک کی منزل طے کرانے کے لیے تم سے مجاہدہ اور مشقت لوں گا لیکن مشیت ایزدی میں کوئی چارہ نہیں۔ عمر نے وفا نہ کی۔ اس کے بعد حاجی صاحب کی زبانی مصنف کتاب نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

حضرت جی نے جب یہ کلمہ فرمایا میں پٹی میانہ (ڈولہ) کی پکڑ کر رونے لگا۔ حضرت نے تسلی و تشفی دی اور کہا کہ فقیر مرتا نہیں صرف ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل ہوتا ہے۔ تم کو فقیر کی قبر سے وہی فائدہ ہوگا جو ظاہری زندگی میں میری ذات سے ہوتا تھا۔

(سوانح میانجیو ص ۷۷)

سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف تک سے کسی فائدہ کا عقیدہ رکھنا دیوبندی مذہب میں شرک ہے لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ اسی شرک کو کتنی خوبصورتی کے ساتھ یہاں ایمان بنا لیا گیا ہے۔ اب اس عقیدے کو امر واقعہ بنانے کے لیے مصنف کتاب کی یہ تمہید ملاحظہ فرمایئے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت میانجیو رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد بھی آپ کی روح پُر فتوح سے وہی فیضان و عرفان کا سرچشمہ جاری ہے اور آپ کے ارشاد عالی کے مطابق آپ کے مزار مقدس سے بھی وہی فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں جو آپ کی ذات قدسی صفات سے ہوتے تھے۔

(سوانح میانجیو ص ۷۸)

اس سلسلے میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا بیان چشم حیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔

قطب عالم حضرت میانجیو رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میری وفات کے بعد دیکھنا ہماری روشنی کس قدر پھیلے گی۔ چنانچہ مشاہدہ ہے۔ جہاں آپ کے چراغ سے جلے ہوئے نئے اور پرانے چراغ تمام عرب و عجم میں جگمگا رہے ہیں وہاں خود عرفان و فیضان الٰہی کا چراغ بھی مرقد کے سرہانے ہنوز جل رہا ہے اور ہمیشہ جلتا رہے گا۔

(سوانح میانجیو ص ۷۸)

پانچواں واقعہ

اب اس دعوٰی کے ثبوت میں کہ وفات کے بعد بھی آپ کی روح پر فتوح سے وہی فیضان و عرفان کا سرچشمہ جاری ہے مصنف کتاب نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ———!

یہ عجیب تجربات ہے کہ حضرت کے مزار معلی سے فیض اٹھانے والوں نے صرف روحانی فیوض ہی حاصل نہیں کئے بلکہ مادی فوائد بھی ان کو حسب ضرورت پہنچے۔ ایک بار حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے فرمایا کہ میرے حضرت کا ایک جولاہا مرید تھا۔ بعد انتقال حضرت کے مزار پر بعد فاتحہ اس نے عرض کی حضرت میں بہت پریشان اور تنگی معاش میں مبتلا ہوں میری کچھ دستگیری فرمایئے۔ حکم ہوا تم کو ہمارے مزار سے دو آنے روز ملا کریں گے۔ ایک مرتبہ میں زیارت کو گیا وہ شخص بھی حاضر تھا اس نے کل کیفیت بیان کر کے کہا مجھے ہر روز وظیفہ مقررہ پائیں قبر (قبر کی پائنتی) سے ملا کرتا ہے۔

(سوانح میانجیو ص ۷۹)

چھٹا واقعہ

مصنف کتاب نے اپنے اس دعوی کے ثبوت ہی کہ حضرت کے مزار معلی سے فیض اٹھانے والوں نے صرف روحانی فیوض ہی حاصل نہیں کیے بلکہ مادی فوائد بھی انہیں حسب ضرورت حاصل ہوئے ایک اور تہلکہ خیز واقعہ نقل کیا ہے۔ لکھا ہے کہ محمد صادق نام کے ایک صاحب تھے۔ جو مولانا شیخ محمد تھانوی کے مرید تھے۔ ایک دن ان کی نماز تہجد قضا ہو گئی تو ان کے پیر نے حکم دیا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ یہاں تمہارا کام نہیں اپنے پیر کے حکم کے مطابق وہ اپنے گھر چلے آئے اور دل میں طے کیا کہ اپنے دادا پیر میانجیو کے مزار پر حاضری دینی چاہیے۔ ان کے پاس زاد راہ کے لیے صرف دو پیسے تھے ایک پیسہ کا ستو اور ایک پیسہ کی شکر لے کر وہ تھانہ بھون سے جھنجھانہ کے لیے روانہ ہو گئے لکھا ہے کہ میانجیو کے مزار پر پہنچنے کے بعد پانچ وقت ستو سے گزر کیا۔ چھٹے وقت جب کھانے کے لیے پاس کچھ نہ رہا تو میانجیو کے مزار سے لپٹ کر خوب روئے

اب اس کے بعد کا واقعہ خود مصنف کی زبانی سنئے لکھتے ہیں کہ

شب میں حضرت میانجیو کو خواب میں دیکھا فرما رہے ہیں کہ محمد صادق! لے اپنے دو پیسے جو تیرے خرچ ہوئے ہیں۔ آنکھ کھلی تو ہاتھ میں دو پیسے تھے (مصنف کتاب لکھتے ہیں کہ) صبح کو میں حضرت میانجیو کے مزار کی مسجد میں تھا کہ ایک صاحب (یعنی میانجیو کے بھتیجے) نے آکر آواز دی۔ مسجد میں کوئی محمد صادق صاحب ہیں، میں پہنچا۔ وہ آنے والے صاحب ایک خوان میں کھانا لیے ہوئے تھے جو گرم تھا وہ فرمانے لگے کہ رات چچا جان خواب میں آئے اور فرمایا ہمارے مزار پر محمد صادق مہمان تین دن سے آئے ہوئے ہیں ان کے دو پیسے خرچ ہوئے تھے وہ تو ہم نے ان کو دے دیئے لیکن وہ رات سے بھوکے

ہیں ان کو کھانا کھلاؤ۔ (سوانح میانجیو ص ۷۹)

اب اس کے بعد کا واقعہ سنئے مصنف کتاب محمد صادق کا یہ بیان نقل کرتے ہیں کہ

میں کھانا کھا کر نماز چاشت پڑھ کر فارغ نہیں ہوا تھا کہ گاڑی کے زنگولے (گڑگڑاہٹ) کی آواز آئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تشریف لائے ہیں اور فرمایا کہ محمد صادق ہمارے ساتھ چلو۔ رات حضرت میانجیو نے فرمایا ہے تم اسے لے آؤ ہمارے یہاں سختی نہیں ہے۔ (سوانح میانجیو ص ۸۰)

اب غیر جانب داری کے ساتھ اس واقعہ کا جائزہ لیجیئے تو دیوبندی مذہب کے مطابق آپ کو اس واقعہ کے ساتھ بہت سے شرکیہ عقیدے لپٹے ہوئے نظر آئیں گے۔ مثال کے طور پر۔

(۱) اگر انہیں علم غیب نہیں تھا تو ان کو یہ بات کیونکر معلوم ہوئی کہ اس سفر میں محمد صادق کے دو پیسے خرچ ہوئے ہیں اور وہ رات سے بھوکا ہے۔

(۲) اگر ان کو علم غیب نہیں تھا تو انہیں یہ بات کیونکر معلوم ہوئی کہ شیخ محمد تھانوی نے تہجد کی نماز قضا ہونے پر ان کے ساتھ سختی کی ہے اور انہیں اپنے یہاں سے نکال دیا ہے۔ لہٰذا اسے واپس بلا لیا جائے۔

(۳) اگر ان کے اندر بعد مردن تصرف کی قوت نہیں تھی تو دو پیسے وہ کہاں سے لائے اور خواب میں اس کے ہاتھ پر رکھ کر چلے گئے۔

(۴) اگر وہ صاحب تصرف سمیع و بصیر اور خزانۂ الٰہی کے مالک نہیں تھے تو دیوبندی بولی میں اس غریب جولاہے کو دو آنے یومیہ ان کی قبر کی پائنتی سے کیونکر ملا کرتا تھا۔

ان سارے سوالات کے خلاف تقویۃ الایمان، بہشتی زیور اور فتاویٰ رشیدیہ کے سیاہ اوراق چیخ رہے ہیں اور بیانگ دہل اعلان کر رہے ہیں کہ غیب دانی اور تصرف کا یہ عقیدہ ولی تو ولی بلکہ نبی، بلکہ سیّد الانبیاء تک کی قبر شریف کے ساتھ بھی صریح شرک اور کھلی ہوئی بت پرستی ہے۔ اور اس طرح کی قدرت خدا کی ذات کے سوا کسی کے اندر بھی موجود نہیں ہے۔ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہی صریح شرک اور کھلی ہوئی بت پرستی دیوبندی علماء کے یہاں اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں کس طرح عین اسلام، عین توحید اور امر واقعہ بن گیا ہے ؎

پیرہن پھاڑلیں غنچے تو وہ زینت ٹھہرے

ہم گریباں بھی کریں چاک تو رسوائی ہے

ہے کوئی حق کا سچا حامی جو ہماری مظلومی کے ساتھ انصاف کرے اور دیوبندی مولویوں سے پوچھے کہ جب تمہارے یہاں بھی بزرگوں کی قبروں سے روحانی اور مادی فوائد حاصل ہوتے ہیں تو اب علماء اہل سنّت کے خلاف تمہارا الزام کیا ہے؟ طرح طرح کے بدعات میں جو خود ملوث ہوا سے دوسروں کو بدعتی کہنے کا کیا حق پہنچتا ہے؟

ایک طرف قبر پرستی اور اس کی ترغیب کا یہ منظم کاروبار دیکھئے اور دوسری طرف یہ منافقانہ کردار ملاحظہ فرمایئے کہ یہ لوگ نجدیوں کے سامنے اپنے آپ کو ہندوستان میں توحید کا سب سے بڑا اجارہ دار بنا کر پیش کرتے ہیں اور نجدی حکومت کا تقرب حاصل کرکے یہ لوگ علماء بریلی کے خلاف لگاتے بجھانے اور منافرت پھیلانے کا کام اتنی پابندی کے ساتھ انجام دیتے ہیں کہ اب یہی ان کا ذریعۂ معاش بن گیا ہے نجدی حکومت سے کروڑوں ریال انہوں نے صرف اس نام پر حاصل کیا ہے کہ شرک وبدعت کے خلاف جنگ کرنے

کے لیے ہندوستان میں جگہ جگہ مدارس کھولیں گے اور مراکز قائم کریں گے۔

کاش! نجد کے قاضیوں کو معلوم ہوجاتا کہ کتاب التوحید کے ساتھ وفاداری کا حلف اٹھانے والے یہ دیوبندی علماء اندر سے کتنے بڑے مشرک، بدعتی اور قبر پرست ہیں لیکن مادی منفعت[1] کی لالچ میں وہابی مذہب کے ساتھ یہ منسلک ہوگئے ہیں۔ آج حرمین طیبین پر نجدیوں کی حکومت ہے تو وہاں یہ لوگ حکومت کو خوش کرنے کے لیے سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مقربین کے خلاف ایسی گستاخانہ تقریریں کرتے ہیں کہ ہندو پاک میں کریں تو زبان کھینچ لی جائے۔ لیکن کل اگر نجدیوں کی حکومت کا تختہ پلٹ جائے اور ایسی حکومت برسر اقتدار آجائے جو رسول پاک اور ان کے مقربین کی وفادار ہو تو ایک ہی رات میں یہ نجدیوں کے سب سے بڑے دشمن اور رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے جاں نثار بن جائیں گے۔

---

[1] موسم اور مفاد کے مطابق مذہب کی تبدیلی کا یہ کارنامہ علماء دیوبند پہلے بھی انجام دے چکے ہیں۔ چنانچہ نجدی اقتدار اور ان کے ریال کی جھنکار سے پہلے علمائے دیوبند ابن عبدالوہاب نجدی کو گمراہ، بددین اور گستاخ رسول کہا اور لکھا کرتے تھے ثبوت کے لیے مولانا حسین احمد ٹانڈوی شیخ دیوبند کی مشہور کتاب "الشہاب الثاقب" ملاحظہ کرلیں۔ لیکن بعد میں جب انہوں نے دیکھا کہ ہندوستان کے غیر مقلدین نجدی سعودی عقائد سے ہمنوائی کے طفیل سعودی ریال سے مالامال ہو رہے ہیں تو دنیائے دیوبند کے معتمد ومستند علماء ملا قربان صاحب، مولانا منظور نعمانی صاحب، شیخ التبلیغ زکریا کاندھلوی صاحب، قاری طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے مل جل کر یہ فیصلہ کیا کہ اب ابن عبدالوہاب نجدی کے خلاف اپنے

علماء کی تحریروں سے رجوع کیا جائے اور وہابیوں کو اچھا گردانا جائے تاکہ ہمیں بھی ریال سے مالا مال ہونے کا موقع ملے۔ چنانچہ یہاں منظور نعمانی صاحب نے اس سلسلے میں ایک کتاب بھی لکھی جس کا نام ہے "شیخ ابن عبدالوہاب نجدی کے خلاف پروپیگنڈہ"، جس میں موصوف نے ایڑی سے چوٹی تک کا زور اس بات پر لگایا ہے کہ ہمارے علماء نے ابن عبدالوہاب کو جو کچھ لکھا ہے وہ غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ نیک آدمی تھا اور اس کے عقائد اچھے تھے اس چوٹی کی کتاب پر مہتمم دارالعلوم دیوبند اور شیخ التبلیغ صاحب کی زوردار تقریظ و تصدیق بھی ہے اور خاص بات یہ ہے کہ اس کتاب کو پہلے عربی زبان میں شائع کیا گیا اور پھر اردو میں "تاکہ حکمران نجد کا ذہن صاف کیا جائے اور مال منفعت ملنے میں دیر نہ ہو۔

(عبدالمبین نعمانی)


تصنیف علامہ و حضرت مفتی محمد خلیل خاں برکاتی قدس سرہ
سنی بہشتی زیور (اول تا پنجم)
ہمارا اسلام مکمل نو حصے
سبع سنابل (اردو)
الصلوٰۃ (مجلد)
ہماری نماز
تفسیر سورۂ نور
فیصلہ ہفت مسئلہ
نور علیٰ نور
حکایات رضویہ
دس عقیدے
روشنی کی طرف
عقائد اسلام
134
فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور